تراجم کے ذریعے اردو ادب میں وسعت

پروفیسر ڈاکٹر شہناز مینگل
بلوچستان ریزیڈنشل کالج خضدار

تلخیص: تراجم کی روایت انسانی ضرورت سے نمو پذیر ہوا ربط، جذبات، محبت، نفرت اور ضرورت نے ترجمہ کو ہماری پیدائش سے لے کر اب تک کی زندگی کا حصہ بنا دیا۔ اشاروں سے لے کر تحریر تک ترجمہ نے جو سفر طے کیا اس سفر میں زندگی کے جو مراحلے شامل ہوئے۔ وہ زبان وادب اور تحریر کی نیو کو پھیلانے اور بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ دنیا میں کوئی بھی زبان ہو ترجمہ نے ان کی انگلی پکڑ کر سرحدوں کو توڑ کر ایک مکمل وجود عطا کیا۔ اس وجود نے مذہب، ادب، تہذیب، ثقافت، اور تجارت کو اپنے تن میں سمیٹتا ہوا دنیا کے کونے کونے میں حسین روپ کو انسانوں میں بانٹتا رہا ہے۔ ترجمہ زبان وادب میں انہی پہلوؤں کے ساتھ ابتداء سے لے کر اب تک کا سفر طے کر رہا ہے۔

ترجمہ کے ذریعے ادب کی دنیا میں وسعت آتی رہی ہے، بلکہ اُردو ادبی دنیا کی ارتقاء میں ترجمہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے، شعری ادب کی ابتداء بھی ترجمہ سے ہوئی نثری ادب میں ارتقاء ترجمے کی بدولت ہی آئی ہے۔ ادبی، سائنسی، معاشرتی، فنون لطیفہ وغیرہ کی رسائی ترجمہ کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں کی ترقی ذخیرہ الفاظ، لسانی کشادگی، موضوع کی تنوع، چاشنی وسعت، تکنیک، اسلوب، رنگ ڈھنگ، ڈیل ڈول ترجمہ ہی کی مرہون منت ہیں۔

کلیدی الفاظ، روایت، نیو، نمو، فنوں لطیفہ، مرہون منت، چاشنی، تنوع، وسعت، گھپ، محدودیت، زرخیز، برکت۔

کوئی بھی زبان ہو وہ خود سے پورا نہیں ہو سکتی زبان کی وحدت اور کشادگی میں دوسری زبانوں کا ہاتھ ہوتا رہا ہے۔ ان کے سانچے، ذخیرہ الفاظ، معنی اور مفہوم سے دوسری زبان کو بھی فائدہ ہوتا ہے، کسی لفظ کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب مختلف زبانیں اس کی اہمیت سے فائدہ اٹھائیں لوگوں میں لفظ کی قدر و قیمت اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب اس کو لوگ آپس میں تراش خراش کر کے دوسری زبانوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہیرا جب کوئلے کی کان میں ہوتا ہے، تو اس کی چمک کسی تک نہیں پہنچ سکتی، اس کو نکال کر تراش خراش کر کے مختلف ڈیزائن میں بنایا جاتا ہے۔ اور

اس کو مختلف لوگ زیب تن کرتے ہیں، تب جاکے اس کا حسن اور قیمت دوبالا ہو جاتی ہے، یہی حال ادب اور زبان کا ہے، جب کہ مختلف زبانوں میں شامل ہونا شروع کرتی ہے، تب جاکے وہ ترقی یافتہ زبان کہلاتی ہے، نثار احمد قریشی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"ترجمے کے ذریعے زبان کئی طرح پھلتی پھولتی ہے، اور اس کی کئی خوبیاں ترجمے کے مضامین کے حوالے سے پیدا

ہوتی ہیں۔ وہ ایک وقت میں علم الشعر کو بیان کر سکتی ہے، اور دوسرے وقت میں وہی زبان فلسفے کی زبان بن سکتی ہے۔ اسی زبان میں طب کی باتیں کی جاسکتی ہیں۔ اور وہی زبان ٹریفک کے اصولوں کی بچوں کی نظمین اور قانون کی زبان بھی بن سکتی ہے۔ لوگ اسی کے ذریعے ریاضی کے مسائل مل کر حل کرتے ہیں۔ اور سائنس کے طالب علم ٹھوس، مائع اور گیس کی باتیں کرتے ہیں۔ نفسیات، عمرانیات، اکنامکس، تاریخ اور دقیق علمی مسائل بھی زبان کے ذریعے بیان کیے جاتے ہیں"۔[1] ترجمہ علم کی زمین میں زرخیزی پیدا کرتی ہے، ترجمہ نے ہر علمی میدان میں اہم کردار ادا کر کیا ہے۔ زبان و ادب کے علاوہ دیگر شعبہ جات میں اس کی اہمیت اتنی ہی ہے، جتنی کہ ادب میں ہے۔ ترجمہ ذہن میں مختلف رنگ بھر دیتا ہے، کبھی اسلوب کی شکل میں تو کبھی خیالات کی رنگ میں سامنے آتے ہیں۔

"ترجمہ جہاں الفاظ کے ذخیرے کے ذریعے انسانی علوم میں اضافہ کرتا ہے۔ اور ذہن کی سرحدوں کو کشادہ کرنے میں مدد دیتا ہے، ترجمے کی تمدنی اور ثقافتی ضرورت بھی مضمر ہوتی ہے، وہاں ترجمے کا عمل زبان کی ساخت کو بھی متاثر کرتا ہے، خیالات اور جذبات کو بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب مل جاتے ہیں۔ نئے الفاظ وضع کرنے پڑتے ہیں، پرانے الفاظ کو دوبارہ استعمال کرنے سے ان میں وسعت پیدا ہوتی ہے نئے محاوروں اور نئے محرکات دستیاب ہوتے ہیں، اور نئے علوم سے آشنائی ہوتی ہے، علاوہ ازیں نئی نئی اصناف کے ساتھ ذہن کا تعارف ہوتا ہے، اور فکر و تحقیق کے لیے نئے سانچے اور نئے اسالیب مل جاتے ہیں"۔[2]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ترجمہ زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں، جو خود کچھ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، یا کشمکش میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ ضرورت اندر کی لاشعوری تمنا کو باہر لاتی ہے، کچھ ایسے مترجمین ہوتے ہیں، جو براہ راست اپنی فکر اور خیالات کو سامنے لانے سے گھبراتے ہیں۔ اور دوسری زبان میں اپنی فکر کو دیکھ کر ترجمے کے لبادے میں پیش کرتے ہیں، کہ میں کوئی بات بھی بنے اور اندر کے لاشعور کو شعور میں لاکر خود چین سے رہیں۔ تمام مترجمین پر یہ بات صادق نہیں آتی کچھ وقت کی ضرورت کے تحت، بعض ادب میں کشادگی کے سبب اور بعض معلومات اور زبان میں وسعت کے حوالے سے بھی ترجمے کرتے ہیں۔

"ترجمے کی ضرورت کی بات جب ہوتی ہے، تو میرا ذہن شاہ عبدالقادر کے قرآن کے ترجمے کی طرف جاتا ہے، شاہ صاحب کو قرآن کے ترجمے کی ضرورت کیوں پڑی تھی، شاہ صاحب سے پہلے یورپی مشینریوں نے بائبل کا اُردو میں ترجمہ کیا تھا، ان دونوں کے نقطہ نظر میں یہ بات سامنے آتی ہے، کہ عیسائی مشینریوں اور شاہ عبدالقادر دونوں کا ترجمے کے بارے میں مقصد اور ضرورت یکساں تھی، وہ ایک عام آدمی تک خدا کی بھیجی ہوئی کتاب کے مفہوم اور پیغام کا پہنچانا تھا، جسے بعض مشکلات کے باعث عام آدمی جاننے اور سمجھنے سے قاصر تھا"۔ ۳

بڑی بڑی زبانیں بھی ترجمہ کے بغیر اپنا وجود دوسری زبانوں میں برقرار نہیں رکھ سکتی ہیں۔ دنیا کی تمام اہم اور تاریخی تحریریں ایک سے دوسری زبانوں میں تراجمہ ہو کر سامنے آئی ہیں۔

یہ رائے اہمیت کی حامل ہے۔ کہ تاریخی تراجم میں عباسیوں کے دورِ تراجم کا ذکر جب آتا ہے۔ تو تمام قدیم علمی خزائن جیسے عبرانی، یونانی اور سنسکرت کو عربی میں منتقل کیا گیا تھا، ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت میں بہت ساری اہم کتب کے فارسی میں تراجم کیے گئے تھے کیونکہ ترجمے کی ضرورت علم کی خواہش اور وقت کی تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ۴

تاریخ گواہ ہے کہ جو زبانیں سب کی بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہی زندہ اور جاوید رہتی ہیں۔ اس کی مثال انگریزی زبان ہے، جو سب کی زبان بن گئیں ہے۔ انگریزی زبان نے یونانی اور لاطینی زبان کو اپنا کر دیگر زبانوں میں منتقل کیا، اس طرح یہ زبانیں دیگر زبانوں میں شامل ہوتی گئے، اور انگریزی زبان کو وسعت ملتی رہی۔ نثار احمد قریشی لکھتے ہیں۔ کہ !

"ایک زمانہ تھا جب یورپ کے لوگ ارسطو اور افلاطون کو اصل یونانی میں پڑھتے تھے، لیکن ترجمے کے ساتھ ہی ارسطو اور افلاطون یورپی زبانوں میں دوبارہ جی اٹھتے ہیں۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو ارسطو کی شعریت پڑھنے کے لیے اصل یونانی کی طرف جاتا ہو سب کے سب جب ارسطو کا نام سنتے ہیں، تو بوچر اور انگرم بائیواٹر ہی تک پہنچتے ہیں۔ اور یہاں ارسطو سے متعارف ہوتے ہیں، وہ زندہ ارسطو ہے، جو یونانی ارسطو کی وفات سے رونما ہوا ہے۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہم ترجمے کی ضرورت پر غور کرتے ہیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم ترجمے کے عمل کے ذریعے ان زبانوں کی علمی برتری کو ختم کرنا چاہتے ہیں، جن کی علمی برتری ہمیں پریشان کرتی ہے، اور اس طرح اپنی زبان کو وہی قامت، گہرائی اور پھیلاؤ دینا چاہتے ہیں۔ جو یورپ کی قومی زبانوں کو آج کل حاصل ہے، لیکن کچھ صدیاں پہلے وہی فضیلت لاطینی اور یونانی کو حاصل تھی۔ ۵

ترجمہ کی شدت کے ساتھ ضرورت اس وقت ہوتی ہے، جب اپنی فکر اور خیالات کو دیگر زبان کے سانچے میں کشادگی مل رہی ہو گھپ اندھیرے کو دیگر زبانوں سے روشنی مل جائے تو اُس ادب کو منور کرنے کے لیے روشنی کرنا کچھ غلط نہیں ہوتا۔

یہ رائے اہمیت کی حامل ہے۔ کہ تاریخی تراجم میں عباسیوں کے دورِ تراجم کا ذکر جب آتا ہے۔ تو تمام قدیم علمی خزائن جیسے عبرانی، یونانی اور سنسکرت کو عربی میں منتقل کیا گیا تھا، ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت میں بہت ساری اہم کتب کے فارسی میں تراجم کیے گئے تھے کیونکہ ترجمے کی ضرورت علم کی خواہش اور وقت کی تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ۴

تاریخ گواہ ہے کہ جو زبانیں سب کی بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہی زندہ اور جاوید رہتی ہیں۔ اس کی مثال انگریزی زبان ہے، جو سب کی زبان بن گئیں ہے۔ انگریزی زبان نے یونانی اور لاطینی زبان کو اپنا کر دیگر زبانوں میں منتقل کیا، اس طرح یہ زبانیں دیگر زبانوں میں شامل ہوتی گئے، اور انگریزی زبان کو وسعت ملتی رہی۔ نثار احمد قریشی لکھتے ہیں۔ کہ !

"ایک زمانہ تھا جب یورپ کے لوگ ارسطو اور افلاطون کو اصل یونانی میں پڑھتے تھے، لیکن ترجمے کے ساتھ ہی ارسطو اور افلاطون یورپی زبانوں میں دوبارہ جی اٹھتے ہیں۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو ارسطو کی شعریت پڑھنے کے لیے اصل یونانی کی طرف جاتا ہو سب کے سب جب ارسطو کا نام سنتے ہیں، تو بوچر اور انگرم بائیواٹر ہی تک پہنچتے ہیں۔ اور یہاں ارسطو سے متعارف ہوتے ہیں، وہ زندہ ارسطو ہے، جو یونانی ارسطو کی وفات سے رونما ہوا ہے۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہم ترجمے کی ضرورت پر غور کرتے ہیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم ترجمے کے عمل کے ذریعے ان زبانوں کی علمی برتری کو ختم

کرنا چاہتے ہیں، جن کی علمی برتری ہمیں پریشان کرتی ہے، اور اس طرح اپنی زبان کو وہی قامت، گہرائی اور پھیلاؤ دینا چاہتے ہیں۔ جو یورپ کی قومی زبانوں کو آج کل حاصل ہے، لیکن کچھ صدیاں پہلے وہی فضیلت لاطینی اور یونانی کو حاصل تھی۔ ۵

ترجمہ کی شدت کے ساتھ ضرورت اس وقت ہوتی ہے، جب اپنی فکر اور خیالات کو دیگر زبان کے سانچے میں کشادگی مل رہی ہو گھپ اندھیرے کو دیگر زبانوں سے روشنی مل جائے تو اُس ادب کو منور کرنے کے لیے روشنی کرنا کچھ غلط نہیں ہوتا۔

یہ رائے اہمیت کی حامل ہے۔ کہ تاریخی تراجم میں عباسیوں کے دورِ تراجم کا ذکر جب آتا ہے۔ تو تمام قدیم علمی خزائن جیسے عبرانی، یونانی اور سنسکرت کو عربی میں منتقل کیا گیا تھا، ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت میں بہت ساری اہم کتب کے فارسی میں تراجم کیے گئے تھے کیونکہ ترجمے کی ضرورت علم کی خواہش اور وقت کی تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ۴

تاریخ گواہ ہے کہ جو زبانیں سب کی بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہی زندہ اور جاوید رہتی ہیں۔ اس کی مثال انگریزی زبان ہے، جو سب کی زبان بن گئیں ہے۔ انگریزی زبان نے یونانی اور لاطینی زبان کو اپنا کر دیگر زبانوں میں منتقل کیا، اس طرح یہ زبانیں دیگر زبانوں میں شامل ہوتی گئے، اور انگریزی زبان کو وسعت ملتی رہی۔ نثار احمد قریشی لکھتے ہیں۔ کہ !

"ایک زمانہ تھا جب یورپ کے لوگ ارسطو اور افلاطون کو اصل یونانی میں پڑھتے تھے، لیکن ترجمے کے ساتھ ہی ارسطو اور افلاطون یورپی زبانوں میں دوبارہ جی اٹھتے ہیں۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو ارسطو کی شعریت پڑھنے کے لیے اصل یونانی کی طرف جاتا ہو سب کے سب جب ارسطو کا نام سنتے ہیں، تو بوچر اور انگرم بائیواٹر ہی تک پہنچتے ہیں۔ اور یہاں ارسطو سے متعارف ہوتے ہیں، وہ زندہ ارسطو ہے، جو یونانی ارسطو کی وفات سے رونما ہوا ہے۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہم ترجمے کی ضرورت پر غور کرتے ہیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم ترجمے کے عمل کے ذریعے ان زبانوں کی علمی برتری کو ختم

کرنا چاہتے ہیں، جن کی علمی برتری ہمیں پریشان کرتی ہے، اور اس طرح اپنی زبان کو وہی قامت، گہرائی اور پھیلاؤ دینا چاہتے ہیں۔ جو یورپ کی قومی زبانوں کو آج کل حاصل ہے، لیکن کچھ صدیاں پہلے وہی فضیلت لاطینی اور یونانی کو حاصل تھی۔ ۵

ترجمہ کی شدت کے ساتھ ضرورت اس وقت ہوتی ہے، جب اپنی فکر اور خیالات کو دیگر زبان کے سانچے میں کشادگی مل رہی ہو گھپ اندھیرے کو دیگر زبانوں سے روشنی مل جائے تو اُس ادب کو منور کرنے کے لیے روشنی کرنا کچھ غلط نہیں ہوتا۔

"کیونکہ نئی اور ترقی یافتہ زبانوں میں علمی اور فلسفیانہ ابلاغ و اظہار میں تراجم بہت مددگار ثابت ہوتے ہیں"۔ ۶

ترجمہ کی ضرورت ہمیشہ اُس وقت محسوس کی جاتی ہے، جب اپنی فکر، خیالات اور زبان و ادب کا دائرہ محدود نظر آنے لگے، اس وقت محدودیت سے نکالنے کا سہارا ترجمہ بن جاتا ہے۔

جب وہ محسوس کرتے ہیں، کہ اپنے ادب سے دور افکار و تصورات کے ایسے افق جگمگا رہے ہیں، جن سے روشنی مستعار لے کر اپنے ادب کو تابناک اور درخشندہ کیا جاسکتا ہیں۔

تصنیف کا سلسلہ آزاد ماحول میں زیادہ نشو و نما پاتا ہے، جب تخلیقی عمل کی رفتار وقت کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو، تو ایسے حالات میں ترجمہ کسی مشعل کی طرح زبان و ادب کو نیا راستہ دکھاتا ہے، جس پر چل کر زبان و ادب اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔

" جب تخلیقی عمل سست روی کا شکار ہو اور نئے نظریات اور جذباتی پیراؤں کی تشکیل و تدوین کی اہلیت کسی قدر سلب ہو چکی ہو، تو اس وقت خیالات کی ترویج اور نظریات کی تشکیل غیر ملکی ادب فلسفہ اور دیگر شعبہ ہائے تخلیقات کے ذریعہ متواتر تراجم کی ضرورت نہ صرف ایک اجتماعی تقاضے کی سطح پر ابھرتی ہے، بلکہ ادبی اور علمی سطح پر بھی ناگزیر ہو جاتی ہے"۔۷

اگر مشرقی یعنی عربی اور فارسی کے تراجم کا جائزہ اُردو میں لیں تو ہمارا دامن خالی نظر آئے گا، کیونکہ کافی ایسے شہ پارے ہیں، جن کا اُردو میں ترجمہ نہیں ہوا ہیں، اگر تراجم ہوتے تو اُردو ادب میں فکر کا مزید میدان کھلتا۔ چین نے جو کسی بھی قسم کے دوسرے نظریات اور افکار کو اپنی عوام تک آنے نہیں دیا، مگر ادبی حوالے سے ترجمہ کا دروازہ وہاں بھی کھلا رہا۔

۔"عربی فارسی سے ہمارا گہرا رشتہ رہا ہے، تو کیا ہم نے عربی فارسی کے تمام کلاسیکی ادب کا اُردو میں ترجمہ کر لیا ہے، یقیناً ہمارا جواب نفی میں ہے، ہمارا دامن ہنوز اعلیٰ ادبی تراجم سے تہی ہے، چینیوں کی مثال لیجیے انہوں نے اپنے نظریات و افکار پر پوری طرح کاربند رہنے اور غیر ملکی نظریات و افکار کو چین میں داخل ہونے سے ہمیشہ روکے رکھنے کے باوجود اعلیٰ ادب کے لیے ان کے دروازے کبھی بند نہیں ہوئے"۔۸

۔زبان کو زرخیز کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کی مختلف ثقافتوں کو ایک دوسرے سے ملانے کا کام تراجم نے سر انجام دیا ہے۔ ہمارے ادبی اور دیگر شعبۂ جات میں تراجم کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی، بلکہ اس طرف توجہ دینے والے کم

ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اس فن کو آگے بڑھانے اور منظم کرنے کے لیے ابھی بہت کام کرنا پڑے گا۔ خالد محمود کا اس بارے میں تحریر درست ہے، کہ!

"متن اگر پرانا ہو، تو اسے نئے پیرائیہ میں پیش کیا جاتا ہے، اگر متن فنا پذید ہو تو ترجمہ اسے بقا کی دولت سے لازوال کر دیتا ہے۔ انسانی تہذیب میں پرانے متن کی موجودگی اور ترجمہ کے متن کا تعارف مزید زرخیزی کا باعث بن جاتا ہے۔ دنیا بھر کا ادب متحرک ہو جاتا ہے، یہ تحریک

ایک زبان سے دوسری زبان، ایک ثقافت سے دوسری ثقافت، ایک علاقے سے دسرے علاقے اور ایک ملک سے لے کر دنیا کے ہر کونے میں فن خیال اور زبان کو دستیاب کر دیتا ہے۔ اس وسیع پیمانے پر مطالعہ کرنے والے طالب علموں، تحقیق کاروں، ناقدین، تجزیہ کاروں اور تخلیق کاورں کی وسعت نظر عالمی آفاقی یا کائناتی نوعیت کی ہو جاتی ہے"۔۹

مذہبی حوالوں سے تراجم نے اُردو زبان و ادب کو بھی مذہبی ذخیرہ فراہم کیا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے دور میں ایسے مرکز کو قائم کیا، جو سائنسی علوم پر تحقیقات کرتا اور علمی تحقیقات کے ذریعے عوام کو جدید نظریات سے آگاہی دیتا تھا۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد حکومت میں بغداد میں بیت الحکمت ایک کتب خانہ تھا، جہاں فلسفی، سائنسدان اور علمائے دین تحقیقی کام کیا کرتے تھے۔

حجتہ اسلام امام ابو حامد غزالی کی "احیا العلوم" چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کے تراجم مولانا محمد احسن نانوتوی نے کیے ہیں۔ ان کتب میں امام غزالی نے علم کے بارے میں اور زندگی کے دیگر ضروری پہلوؤں کے بارے میں عمدہ طریقیسے دلائل کے ساتھ بات کی ہے، اور طریقہ تدریس، خلاق و کردار کا تذکرہ کیا ہے، جیسے کہ صبر و شُکر، توجہ وغیرہ شامل ہیں۔

'معارف القرآن" کے بارے میں مسٹر کونٹ فرنچ زبان میں اپنی کتاب "الاسلام" میں لکھتے ہیں، جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں کیا۔

"عقل حیران ہے، کہ اس قسم کے کلام ایسے شخص کی زبان سے کیون کر ادا ہوا، جو بالکل امّی تھا تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے، کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے، جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمیں کر دیا اُن کو خدا کا معترف ہونا پڑا وہی کلام ہے، کہ جب یحیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے، تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلا اُٹھا کہ یہ کلام اُسی سرچشمہ سے نکلا ہے، جس سے عیسیٰؑ کا کلام نکلا تھا"۔۱۰

معارف القرآن آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، آٹھ جلدیں مولانا مفتی محمد شفیع کی ہیں۔ اس میں قرآن کی تمام آیات کا مفہوم، تشریح اور ان کے اہم پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے، اور فوائد کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اہل علم اس سے ترجمے کافی استفادہ کرتے ہیں۔ جن کا عقیدہ خدا اور رسول پر ہوتا ہے۔ ان تراجم کا مقصد بھی یہی ہے، کہ ان سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جا سکیں۔

''مثنوی مولوی معنوی'' یہ مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی ہے، اس مثنوی کا ترجمہ قاضی سجاد حسین نے فارسی سے اُردو زبان میں کیا اس مثنوی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے، کہ قرآن کو پڑھ کر رومی نے اشعار کے طور پر مثنوی کے رنگ میں فارسی الفاظ میں پرویا ہے یہ ترجمہ چھ (٦) جلدوں پر مشتمل ہے۔ چند ایک اشعار ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

ہر سماع ہر کس چیز نیست　　طمعہ ہر مرغے انجیر نیست

صحیح سماع پر ہر شخص قادر نہیں ہے　　انجیر ہر پرندے کی خوراک نہیں ہے''۔ ۱۱؎

اس شعر سے واضح ہے، کہ صحیح سمجھنا بھی ہر فرد کی خصوصیت نہیں ہو سکتی ہر شے اپنی بساط کے مطابق سوچ سکتی ہے۔ انسان میں سمجھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہوتی ہے۔

''اول فکر آمد آخر در عمل　　بنیت عالم چناں داں در ازل

میوہا در فکر دل اول بود　　در عمل ظاہر بآخری شود

ترجمہ　پہلے فکر آئی پھر عمل　　ایسے ہی عالم کی بناء ازل میں

پھل اول دل کے خیال میں ہوتے ہیں　　آخر میں عملی طور ظاہر ہوتے ہیں۔ ۱۲؎

''اُردو دائرہ معارف اسلامیہ'' تین جلدوں پر مشتمل ہے، اس پر بہت باریکی سے کام کیا گیا ہے۔ اُردو کے خاص الفاظ اور اصطلاحات ہیں۔

''سارے عظیم شاعر اور ادیب اور فن کار دل کی صداقت سے لکھتے ہیں۔ غالب نے کہا لکھتے رہے ستم کی حکایات خونچکاں، فیض نے کہا خون دل میں ڈبولی ہیں۔ انگلیاں میں نے، نیٹشے نے کہا زندگی کوئی برہان نہیں ہم نے اپنے لیے ایک دنیا بنائی ہے، جس میں ہم رہ سکتے ہیں۔ اجسام کے خطوط، سطوح، علل اور عواقب، حرکت اور سکوت، ہیت اور حجم کے ساتھ ان اجزائے ایمان کے بغیر کسی میں زندہ رہنے کی سکت ہی نہیں ہو گی، اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ وہ ایسی شے ہیں۔ جسے ثابت کیا جا سکے، جس کا مظاہرہ کیا جا سکے زندگی کوئی برہان نہیں زندگی کی حالتوں میں ایک حالت غلطی بھی ہو سکتی ہے''۔ ۱۴؎

ان کے علاوہ اور بہت سی عظیم اسلامی کتب کے تراجم ہوئے ہیں۔

ہدایہ المجتہد ونہایتہ المقتصد، کشف الغمتہ، قرۃ الواعظین، مطالع المُسرات / دلائل الخیرات، تفسیر ابن کثیر، تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر، تاریخ ابن خلدون، جامع ترمذی اور صحیح بخاری ہیں۔ ان کتب کے تراجم نے پڑھنے والوں میں اچھی فکر، اسلامی اصول، صحیح مقصدِ زندگی کے شعور اجاگر کیے ہیں۔ اس طرح ادب میں مختلف صنف کی مغز کو لکھاری نے اپنی

زبان میں ناول کی شکل دے کر ادب میں کشادگی پیدا کی ہے۔ دیگر زبانوں کو پڑھ کر ان سے تاریخی پہلو، اسلوبی ڈھنگ اور دھنگ کے مختلف رنگوں سے اُردو ادب کو سجایا ہے۔ ان میں عبدالحلیم شرر، سجاد حیدر یلدرم، اسلم راہی، شاہد احمد، محمد حسن بٹ اور انور زاہری اہم نام ہیں۔

"ابلیکا" ناول اسلم راہی نے ہمیشہ تاریخی تحریروں کو ناول کا روپ دیا، تاریخی ناول نگاری کی ابتدا اگر عبدالحلیم شرر نے کی، تو اس کو آگے بڑھانے کی سعی دیگر ناول نگاروں نے کی ہے، جس میں اسلم راہی ایم اے کا ایک مقام ہے۔ اسلم راہی کی خوبی یہ ہے، کہ اُنھوں مختلف تراجم ہوئے ہیں، یا اصل زبان میں ہیں، ان کا مطالعہ کر کے ان کو اُردو ناول کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ناول ابلیکا آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، جس کو اسلم راہی نے مختلف کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اُردو زبان کا جامہ پہنایا یہ ایک مکمل تاریخ بھی ہے، جو حضرت آدم علیہ الاسلام سے شروع ہوتی ہے، اور موجودہ یلغار کی عکاس بھی اس میں ملتی ہے۔ ابلیکا کے اندر تاریخ بھی ہے، مذہب بھی روحانیت بھی ہے اور جمالیات بھی ہے۔

دنیا کی تمام تاریخ سے آگاہی مختلف تاریخی کتابوں سے حاصل کی جاتی ہے، جو مختلف زبانوں سے ترجمہ در ترجمہ ہوتی ہوتی اُردو میں آئی ہیں۔

"یروشلم کی ساحرہ" بھی اسلم راہی کا ناول ہے، جو مختلف تحریروں کا نچوڑ ہے، اور یہ ترجمہ ہی کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ اسلم راہی لکھتے ہیں ۔ کہ!

"ا: یروشلم کی ساحرہ ان لوگوں کی داستان ہے، جو حضور ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔

۲: یہ حسین و جمیل اور تاریخی لڑکی ہیرودیہ کا حصہ بھی ہے، جس نے اپنے زہد شکن رقص کے انعام کے طور پر اللہ کے نبی یحیٰ علیہ السلام کا سر مانگا تھا۔

۳: یہ اصحاب کہف کے اساطیری شہر رقیم کی کتھا بھی ہے۔

۴: یروشلم کی ساحرہ میں قدیم صابی مذہب کی پوری تفصیل بھی ملے گی۔

۵: یہ نبطی عربوں کی عظیم تاریخ ہے جنہوں نے بیک وقت رومنوں، مصر کے حکمران گالس، یروشلم کے بادشاہ ہیروڈیس اور دمشق کے حکمران حداد بن حداد کو بدترین شکستیں دیں۔ غرضیکہ یروشلم کی ساحرہ زمانہ قبل از اسلام کی وہ سرگزشت ہے، جسے ایک دلچسپ کہانی کی صورت تاریخ کے اوراق سے قطرہ قطرہ کشید کیا گیا ہے"۔۱۵

"سوفی کی دنیا" ناروی زبان میں مشہور فلسفہ دان جوسٹین گارڈنے ناول کی شکل میں تحریر کیا ہے، اس ناول کو شاہد حمید نے اُردو میں ترجمہ کر کے اُردو زبان و ادب میں ایک گراں قدر علمی ناول کا اضافہ کیا ہے، ناروی زبان میں یہ پہلی بار ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اندازہ یہ ہے کہ اب تک درجنوں زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان میں چینی، ترکی، کوریائی اور تھائی زبانیں شامل ہیں۔ اکثر ملکوں میں اس کا ترجمہ بہترین فروخت ہونے والی کتابوں کی فہرست میں شامل ہے۔ فلسفہ اور انسان کا رشتہ فطری وسیع اور گہرا بھی ہے۔

"فلسفے نے روز اول سے بنیادی سوالات سے سروکار رکھا ہے ہم کون ہیں؟ جس دنیا یا کائنات میں ہم رہتے ہیں۔ کیسی ہے؟ اسے کس نے بنایا ؟ خیر و شر اور اختیار کے معنی کیا ہیں؟"۔۱۶

ایسے تراجم علمی اور ادب کی دنیا کے لیے بیش قیمت اضافہ ہیں۔ اس طرح کے ترجمے کی اہمیت مسلم ہیں۔

کتاب "دانش" مصنف اوشو (گرو جنیش کی انگریزی کتاب The Book of Wisdom) سے محمد احسن بٹ اُردو میں ترجمہ ہے، اور نام کتاب دانش رکھا ہے، اس کتاب میں زندگی اور انسان کی اہمیت دنیا گزاری کے اصولوں، اچھائی اور سچائی کے فلسفہ کے سوالات موجود ہیں جن کے جوابات اوشو حل تلاش کرتا ہے۔

"یادیں تابلو نرودا" کی آپ بیتی ہے، جس کا ترجمہ انور زاھدی نے کیا ہے۔ انور زاھدی نے زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہوئے اس کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے، یہ نہ صرت لاطینی امریکی ادب کے قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث بنا ہے، بلکہ اُردو زبان و ادب کے لیے یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

"فرانسیسی ادبی تحریکوں کو دنیائے ادب میں عظیم انقلابات کا پیش خیمہ تصور کرتے ہیں۔ پہلی فرانسیسی ادب ژانزے نزم اس کی بنیاد ژانیس Janssen نے رکھی، یہ بنیادی طور پر ایک مذہبی تحریک تھی لیکن اس کی وجہ سے عظیم ادبی شاہ پارے منظر عام پر آئے جنہیں ادب کا اہم حصہ قرار دیا"۔۱۷

"وبا کے دنوں میں محبت" گابرئیل گارسیا مارکیز کا نوبل یافتہ ناول ہے، یہ ترجمہ در ترجمہ شدہ ناول ہے، اس کی اصل تصنیفی زبان ہسپانوی ہے اس کا انگلش میں ترجمہ Love in the time of cholera کے نام سے Edith Groess man انگلش سے اُردو میں ترجمہ ارشد وحید نے کیا ہے، اس ثقیل کام کو ارشد وحید نے خوب نبھایا ہے، چونکہ یہ ترجمہ در ترجمہ ہے، اس لیے اس میں تصنیفی لذت شاید نہ ہو لیکن ہم سب اس عظیم شہ پارے سے واقف ہوئے ہیں۔

"سزائے موت میں التواء" فرانسیسی مصنف اور فلسفی جیں پال سارتر کے ناول "سزائے موت میں التواء" کا مترجم ریاض محمود انجم ہیں، اس کو انگریزی The Reprieve. سے ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ در ترجمہ ہے۔ سارتر وجودیت پسند ہے، اور فرد کی اہمیت کو ہر تحریر میں مد نظر رکھ کر قلم چلاتا ہے، اس ناول میں بھی وجودیت موجود ہے، یہ ناول امن کی اہمیت، آزادی اور خوشی والی زندگی کا عکس دکھانے کی کوشش کی ہے، اور ادب میں یہ عمدہ سوچ پیدا کر سکتی ہے۔

"ارتھ شاستر" ہندوستان کے عظیم سیاسی مفکر چانکیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ اس کو شان الحق حقی نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اسے سنسکرت میں آچاریہ چانکیہ نے تصنیف کیا، جو چندر گپت کا وزیر اور اتالیق بھی تھا۔ اس

کو ٹلیہ اور وشو گپتا کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اس نے ٹیکسلا یونیورسٹی میں بطور اُستاد تعلیم بھی دی۔ چانکیہ کو ہندوستان میں اکانومی کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں شان الحق حقی لکھتے ہیں۔ کہ!

"ارتھ شاستر کا شمار دنیا کی بہترین کتابوں میں ہوتا ہے، ارتھ شاستر کا ترجمہ دنیا کیا تمام بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے، یہ کتاب (۳۱۰ق،م) سے (۳۱۱ق،م) کے دوران لکھی گئی، اصل متن سنسکرت میں تھا، جو (۱۹۰۴) میں دریافت کیا گیا، (۱۹۰۵) میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا"۔۱۸

"ارتھ شاستر نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک کے بادشاہوں، آمروں، غاصبوں کی پسندیدہ کتاب ہے، لیکن اس کتاب کا علم و ادب سے تعلق بھی ہے۔ پروفیسر ایف ایم ٹامس اسے تاریخی ماخذ کے اعتبار سے تمام سنسکرت ادب میں سب سے زیادہ قیمتی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اس میں اُس معاشرت کی پوری تصور تمام جذبات کے ساتھ سامنے آجاتی ہیَ۔۱۹

"جون آف آرک / صبح صادق" اگر جون آف آرک جیسے کتاب ترجمہ ہوتے ہیں، تو معاشرے پر اس کا اثر پڑتا ہے، آزادی، سوچ اپنے وجود کی مقصد سے آگاہی کے لیے یہ تراجم بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

"خاموشی" Silence / سوشاکو ایندو (جاپان کے عظیم ناول نگار ہیں) کا Silnce کا ترجمہ دنیا کے بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے، انگریزی میں اس کا ترجمہ ولیم جونسٹن نے کیا ہے، گراہم گرین کہتے ہیں۔ یہ ہمارے زمانہ کا ایک بہترین ناول ہے، اور اس کو اُردو میں مسعود اشعر نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ ناول عیسائی مذہب کے مشنریوں کی کہانی ہے، جو جاپانی معاشرے میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ یہ اُس وقت کی معاشرت کی عکاسی کرتے ہیں۔

"تنگویں ڈگار" کو انور کمال نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے، انگریزی میں اس کا نام Good Earth ہے اس کو اُردو سے بلوچی میں حسن جانان بادینی نے ترجمہ کیا ہے، یہ بلوچی زبان کے رسالہ زند میں شائع ہوا ہے۔

"تاریخ سیستان" اس کتاب میں قدیم بلوچستان (سیستان) کی تاریخ کے حوالے سے اور ان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں تحریریں شامل ہیں۔ اس کتاب کے مترجم اکبر ساسولی ہیں۔

"اکثر تواریخ میں اگر ذکر بلوچ ہوا ہے، تو اسے سیستان کا باشندہ قرار دیا گیا ہے۔ سیستان میں آثار قدیمہ بے شمار ہیں۔ جو اس خطے کے تمدن و ثقافت کا آئینہ دار ہے، جیسے شہر غلغلہ، تاروسار، آثار بُست وار غنداب، شہر اور کئی ایسے پرانے قلعے و شہر و تمدن کے باقیات ملتے ہیں"۔۲۰

اس طرح کی اہم کتب کے تراجم علمی دنیا میں بیش بہا معلومات فراہم کرتے ہیں، جو صرف اور صرف ترجمہ کی بدولت ممکن ہوا ہے اور رہے گا۔ علاقائی زبانوں نے اُردو ادب میں اپنی بساط کے مطابق جو اضافے کیے ہیں، وہ قابل ستائش ہیں۔ جتنے بھی مترجمین ادبا اور شعراء لکھتے رہے ہیں ۔ لفظوں کے علاوہ تراجم نے اُردو ادب اور علاقائی ادب میں سوچ، تکنیک، تنوع اور موضوع کا دائرے وسیع سے وسیع تر کیے ہیں۔ ابھی، آگے مزید وسعت آتی بھی رہے گی۔

اس موضوع پہ تحقیق کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوا ہے، کہ ترجمہ انسان کی دیگر ضروریات کی طرح ایک اہم ضرورت ہے، جیسے کہ جذبات ، پہچان، ثقافت انسانی زندگی کی ضروریات ہیں۔ ترجمہ بھی انسان کی پیدائش سے لے کر اب تک اس کی ضروریات کا حصہ ہیں۔ چاہئے اس کو اپنی زبان کی ترجمہ یا بچاؤ کا زریعہ یا علم کو پھیلانے کا سبب یا تجارت کا زریعہ سمجھیں تاریخ گواہ ہے، یہ سب ترجمہ کی بدولت ممکن ہوا۔ آج کے دور میں زبان اور ادب کی اہم ضرورت ترجمہ ہے، اس کی وجہ سے زبان میں وسعت اور ادب میں کشادگی آئی ہے، میری اس سے دلچسپی کی وجہ یہ ہے، کوئی بھی ادب اور زبان ہو وہ سرحدوں کی پابند نہیں ہوتے ہیں۔ اور اس طرح زبان اور ادب کی روحانی علاج اور ترقی ترجمہ نے پورا کیا ہے۔ ترجمہ نے ہی علوم میں حرکت اور برکت پیدا کیے ہیں۔

حوالہ جات

۱: قریشی نثار احمد مرتبہ، ترجمہ روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء ص، ۲۲۔

۲: ایضاً، ص:۲۳۔

۳: ایضاً، ص، ۱۹۔

۴: ایضاً، ص، ۲۰۔

۵: ایضاً، ص، ۲۱۔

۶: ابواللیث صدیق ڈاکٹر، مضمون اُردو میں ترجموں کی نوعیت واہمیت، نگار، جنوری ۱۹۶۳ء، ص، ندارد۔

۷: ناگی انیس، بشمولہ تصورات، شائع کردہ پبلی کیشنز لاہور / ۱۹۷۸ء، ص:۵۹۔

۸: راہی اعجاز مرتبہ، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص:۱۰۸۔

۹: خالد محمود خان نظریات، فن ترجمہ نگاری، بیکن بکس ملتان، لاہور / ۲۰۱۴ء، ص:۱۷۸۔

۱۰: مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، جلد اول معارف القرآن، ۱۹۹۱ء، / ادارۃ العارف کراچی، جلد دوم تا ہشتم ۱۹۹۸ء، ص:۱۶۳۔

۱۱ : قاضی سجاد حسین مترجم مثنوی مولوی مصنوی / مولانا جلال الدین رومی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور / ۲۰۰۶ء (جلد دوم، سوم چہارم، ص:۱۱۰۔

۱۲: ایضاً۔

۱۳: نسیم حمید، تعارف القرقان، فضلی سنز لمیٹڈ اردو بازار کراچی ۱۹۸۸ء، ص:۵۰۴۔

۱۴: ایضاً، ص:۵۳۴۔

۱۵: اے ایم راہی اسلم، ابلیکا جلد اول، مکتبہ القریش اردو بازار لاہور ۲۰۰۸ء ص،۶۔

۱۶: مترجم احمد شاہد، سوفی کی دنیا، مصنف جوسٹین گارڈ، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۸ء، ص:۶۔

۱۷: بخاری سجاد، یورپ کا بہترین ادب،، فکشن ہاؤس لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۱۸: مترجم شان الحق حقی، ارتھ شاستر، مصنف آچاریہ چانکیہ، الحمد پبلیشرز لاہور، ۲۰۱۶ء۔ ص:۱۶۔

۱۹: ایضاً، ص:۲۲۔

۲۰: اکبر ساسولی، سیستان، شوکت برادرز پریس کراچی، ۲۰۱۵ء۔

☆☆☆